محترم چوہدری محمد علی صاحب کی ایک تقریر

خلفاء احمدیت کے ساتھ نیک یادیں

بات یہ ہے کہ مثال کے طور پر جب پھولوں کو بیان کرنا چاہیں تو بیان نہیں کر سکتے کبھی اس کے رنگ کا ذکر کرتے ہیں کبھی اس کی خوشبو کا ذکر کرتے ہیں۔لیکن وہ پھول جب تک دیکھا نہ ہو پورے طور پر اس کا ادراک ہو نہیں سکتا اس لئے جب خلفاء احمدیت کا ذکر کریں تو سب سے پہلے اس بے مائیگی کا احساس ہوتا ہے کہ اس کو کمیونیکیٹ (Communicate) کیسے کیا جائے ان کی محبتیں ہر احمدی، ہر چھوٹے سے بھی، بڑے سے بھی، اچھے سے بھی اور برے سے بھی نظر آتی ہیں۔حضرت مسیح موعود نے کہیں فرمایا ہے کہ اگر ہمارا ماننے والا کوئی شراب کے نشے میں دھت کسی نالی کے پاس پڑا ہو تو ہم اسے بڑے پیار سے اٹھا کر لائیں گے۔

میں اپنے دل کو یہ کہہ کر سمجھا لیا کرتا ہوں کہ جب وہ برستا ہے۔تو روڑی پر بھی برستا ہے۔میں یہ نہیں جانتا کہ کس طرح بات کو شروع کروں۔انتخاب میرے لئے مشکل ہے۔ایک بات میرے ذہن میں آتی ہے، جب یہاں کالج بن رہا تھا تو اس وقت (حضرت خلیفۃ المسیح الثالث) صاحبزادہ مرزا ناصر احمد یہاں کالج بنوا رہے تھے۔کوئی درخت نہیں تھا کوئی سایہ نہیں کوئی چھت نہیں تھی گرمی میں، دھوپ میں کھڑے ہو کر۔مزدوروں میں کھڑے ہو کر کام کی نگرانی کیا کرتے تھے۔تو میری ڈیوٹی حضور کے ساتھ ہوتی تھی اس وقت بجلی نہیں تھی۔حضور بھی وہیں تشریف فرما تھے۔ہم لوگ جب صبح واش روم میں جاتے تھے تو جوتے کو چھڑی سے ہلاتے تھے کہ اس میں کہیں بچھو یا سانپ نہ ہو۔بالکل خالی ایک جگہ تھی۔حضرت مصلح موعود نے کالج کے لئے بہت تھوڑی رقم جو اس زمانے میں ایک بڑی رقم تھی دی اور فرمایا تھا کہ بس اتنی رقم ہے۔اسے بنیادوں میں ہی نہ ڈال دینا، کمرے بنائیں بعد میں اس میں توسیع ہوتی رہے گی ساتھ حضور نے عطایا لینے کی بھی اجازت دے دی کہ ڈونیشن لے سکتے ہو۔تو ڈونیشن لینے کے لئے کبھی صاحبزادہ صاحب خود تشریف لے جاتے تھے۔کبھی مجھے بھی بھیج دیتے تھے۔میں لاہور گیا لمبی بات ہے۔وہاں مجھے بڑے پیسے ملے خان بہادر ڈاکٹر محمد بشیر صاحب مرحوم، قاضی محمد اسلم صاحب کے بڑے بھائی، آئی سپیشلسٹ تھے۔ان سے عرض کیا کہ کالج بنایا جا رہا ہے۔آپ سے چندہ دینے کی درخواست ہے۔انہوں نے ایک چیک لیا اور دستخط کر دیئے اور رقم کا خانہ خالی رہنے دیا کہ جتنی مرضی لکھ لیں۔میں نے کہا ڈاکٹر صاحب پانچ ہزار سے ہم کم نہیں لیتے اور پانچ ہزار سے زیادہ نہیں لیتے۔انہوں نے کہا کہ نہیں آپ لے جائیں جتنی مرضی لکھ لیں میں نے ان کے سامنے پانچ ہزار لکھ دیا۔مجھے سن سٹروک ہو گیا۔گرمی کا موسم تھا وہاں پیدل پھرتا رہا تو ربوہ آنے سے پہلے فون کرنے لگا۔

وہاں میں نے فون کیا بسوں یا ٹرکوں کا اڈہ تھا۔میں نے کہا فون کرنا ہے انہوں نے کہا کر لیں۔میں نے فون کیا تو اس زمانہ میں فون آٹومیٹک نہیں ہوتا تھا، کال بک کروائی جاتی تھی جب پانچ چھ منٹ گزرے اور کال نہ ملی تو وہ جو دکاندار تھا۔انہوں نے فون اٹھایا اور اس کو تلخی سے کہا تم اتنی دیر اس لئے کر رہے ہو کہ انہوں نے ربوہ جانا ہے۔میں نے دل میں کہا یہ تو احمدی معلوم ہوتا ہے۔میں نے کہا کال کے کتنے پیسے ہیں اس نے کہا پیسے کیسے۔میں نے کہا جی آپ احمدی ہیں۔کہا میں احمدی تو نہیں ہوں۔میں نے کہا پھر آپ پیسے کیوں نہیں لیتے۔وہ کہنے لگا دیکھئے ہماری بس کا ایک حادثہ ہو گیا تھا جہاں ربوہ آباد کر رہے ہیں وہاں، تو کئی زخمی ہوئے اور خیال تھا کہ کئی ہزار روپے ادا کرنا پڑیں گے۔لیکن ربوہ کے شہری دیکھ کر میں حیران رہ گیا کہ کوئی دودھ لا رہا ہے کوئی کچھ لا رہا ہے۔زخمیوں کی مرہم پٹی کی جا رہی ہے تو پیسے کیسے آپ سے لے لیں۔

اصل بات تو یہ ہے کہ جماعت کا نمونہ خدا کے فضل سے ایسا ہے کہ آج ساری روئے زمین پر اگر بنی نوع انسان کے لئے کوئی امید ہے تو صرف یہی ایک جماعت ہے۔اس لحاظ سے ہم پر بہت بڑی ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے۔

خیر میں ربوہ پہنچا اور سن سٹروک کی وجہ سے سٹیشن پر آ کر بیٹھ گیا فون تو کیا تھا لیکن گاڑی نہ آئی۔ایک بنچ پڑا ہوا تھا میں اس پر بیٹھ گیا میں پیدل چل نہیں سکتا تھا تو میں نے ریلوے لائن کے ساتھ بیٹھے بیٹھے چلنا شروع کیا۔جہاں کالج بنا وہاں تک کوئی عمارت نہیں تھی۔(سٹیشن سے کالج تک) سٹیشن تک کالج کی لائٹ پہنچ رہی تھی۔

ایک لطیفہ یاد آ گیا ایک سفر میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کے ساتھ تھا۔حضور کے ساتھ تین بار سفر کرنے کا موقع ملا۔یورپ کی بات ہے حضور کو بڑے شہروں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی نہ بڑے بڑے ہوٹلوں سے۔چھوٹی موٹی جگہ پر رکتے۔وہاں سے چائے خود تیار کروا کر لے آتے تھے اور آگے سفر پر روانہ ہو جاتے۔ایسے ہی ایک مرتبہ ہم ناشتہ کے لئے رکے ناشتہ بڑا Heavy ہوتا تھا۔ناشتے میں لیڈی نے دو کارٹن دودھ کے رکھے ہوئے تھے۔وہ لینڈ لیڈی آئی اس نے کہا میں لے جاتی ہوں گرم کر کے لاتی ہوں میں نے عرض کیا حضور میں دودھ ٹھنڈا بھی پی لیتا ہوں۔حضور نے فرمایا پھر پی لو چنانچہ میں نے کارٹن کا منہ کھولا اور پی گیا اور خالی کارٹن رکھ دیا۔تھوڑی دیر میں وہ دوسرا لے کر آئی وہ بھی پی لیا جب برتن اٹھانے لگی تو اس کا خیال تھا کہ پہلا کارٹن دودھ سے بھرا ہوا ہے۔جب اٹھایا تو خالی اس نے کہا دودھ کا کیا ہوا۔فرمانے لگے انہوں نے پی لیا ہے۔(میری طرف اشارہ فرمایا) وہ کہنے لگی اور لاؤں۔حضور نے انگریزی میں فرمایا اس قسم کی پیشکش نہ کریں۔یہ پی لے گا تو الحمد للہ بہت دودھ پیا ہے۔

ایک اور واقعہ یاد آیا جب کالج بن رہا تھا تو میرے دوست لاہور سے شیخ امین آ گئے۔وہ بڑے اچھے کھاتے پیتے گھرانے کے تھے۔ہمارے باسکٹ بال کے ساتھی تھے۔میں تو پہلے ہی لنگر خانہ کا کھانا کھاتا تھا۔ایک تندور تھا وہاں سے کھانا پکوا لیا کرتے تھے۔حضرت صاحب بھی لنگر خانہ کا کھانا کھاتے تھے تو میں نے کہا اب کیا کیا جائے تو یہاں ایک بابا یوسف ہوتے تھے۔وہ بابا یوسف تھے جو قادیان میں ہوتے تھے اور ہم انہیں بابا یوسف قلاقند کہتے تھے۔

وہ بھی ایک لطیفہ ہے یاد آ گیا سنا دیتا ہوں میں آگے آگے تھا وہ شیخ صاحب ذرا پیچھے تھے۔چھ فٹے لمبے جوان تھے۔میں نے پوچھا بابا! کباب ہیں؟ (وہ کباب بیچتے تھے) کہنے لگے ہاں ہیں اتنے میں شیخ صاحب میرے ساتھ آ کر کھڑے ہو گئے۔ان کو دیکھا تو کہنے لگے کباب نہیں ہیں۔تو شیخ صاحب کہنے لگے ابھی تو آپ نے ان کو کہا ہے کباب ہیں۔اور میں آیا ہوں تو آپ نے کہا کہ کباب نہیں ہیں تو انہوں نے چھوٹی سی کنالی تھی اس پر سے کپڑا اٹھایا۔اتنا تھوڑا سا قیمہ تھا۔فرمانے لگے کہ یہ کل کا قیمہ ہے میں نے برف میں رکھا ہوا تھا۔گرمی بہت ہے یہ میں اسے تو دے دیتا۔لیکن آپ کو نہیں دوں گا۔انہوں نے سمجھ لیا کہ مہمان ہے جماعت سے تعلق نہیں ہے۔تو شیخ صاحب کہنے لگے اب تک میرے کانوں میں ان کی آواز گونج رہی ہے تو وہ کہنے لگے کہ بابا جی یہ بتائیں کہ یہ آپ کا قیمہ کل ہی سارا بک جاتا اور آج نیا لے آتے تو آپ گزارہ کیسے کرتے۔(یہ سارا واقعہ میں نے اس فقرہ کی خاطر سنایا ہے) وہ کہنے لگے کہ آپ اس بات کو نہیں سمجھ سکتے ہم تو آٹھ دن کے بعد بروز جمعہ اپنے آقا کو دیکھ لیتے ہیں اور ہمارا ہفتہ گزر جاتا ہے۔ہم اپنے یوسف کو دیکھ لیتے ہیں۔

خلافت تو ایک منصب ہے ایک انعام ہے اللہ تعالیٰ کا تحفہ ہے ایک زندگی ہے زندگی بخش ایک نسخہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اور ساری دنیا میں اس روئے زمین پر صرف ہم وہ ہیں جنہیں یہ نعمت حاصل ہے۔ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہم اس معیار پر ہیں جس معیار پر ہمیں ہونا چاہئے۔لیکن اللہ تعالیٰ نے ہماری تقصیروں کو معاف کرتے ہوئے ہم پر انعام کیا ہے۔

واقعات تو بے شمار ہیں میں کس کس واقعہ کا ذکر کروں ضمناً بیان کر دیتا ہوں۔مجھے ایک خط آیا کہ خلفاء کی دعاؤں کا ذکر کریں تو حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کے دو واقعات آپ لوگوں تک پہنچانا چاہتا ہوں۔شاید عام لوگوں کو اس کا علم نہ ہو ایک واقعہ تو یہ ہے کہ حضور نے خود مجھے بتایا ابھی حضور خلیفہ نہیں ہوئے تھے پہلے کی بات ہے۔کراچی تشریف لے گئے تھے وہاں کوئی جلسہ تھا۔واپس یہاں آ گئے تو فرمانے لگے کہ اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا احسان ہے کہ بندے کی چھوٹی چھوٹی بات کو بھی وہ قبول کر لیتا ہے۔جس گاڑی پر میں گیا وہ بہت تیز گاڑی چلاتا تھا ...... میں نے ارادہ کیا کہ واپسی پر اس کے ساتھ میں نہ آؤں گا واپسی پر بھی وہی گاڑی تھی۔گاڑی میں بیٹھ گئے فرمانے لگے وہ سٹارٹ نہیں ہو رہی تھی۔گاڑیاں جا چکی تھیں لوگ جا چکے تھے۔اخیر تنگ آ کر کہا یہ تو گاڑی سٹارٹ نہیں ہوتی۔ایک اور گاڑی لائے کہ آپ اس میں بیٹھ جائیں۔حضور کہتے ہیں میں اس میں بیٹھ گیا جب میں اس میں بیٹھ گیا پہلے والی گاڑی سٹارٹ ہو گئی۔

اس قسم کا ایک اور واقعہ گاڑیوں کے سٹارٹ ہونے کا جو خواجہ غلام صادق صاحب ہمارے دوست ہوتے تھے جو پنجاب یونیورسٹی کے صدر شعبہ فلسفہ تھے اور بعد میں وائس چانسلر ہو گئے تھے۔حضرت صاحب سے ان کا بہت محبت کا تعلق تھا۔

...... یہ واقعہ خود خواجہ غلام صادق صاحب نے سنایا، وہ واقعہ یوں ہے کہ یہاں ٹورنامنٹ تھا وہ آئے۔اس زمانے میں کاریں تو ہوتی نہیں تھیں ٹانگے ہوتے تھے۔انہوں نے ٹرین کے ذریعہ جانا تھا وقت پر وہ بھاگ کر سٹیشن پر پہنچے اور گاڑی پر سوار ہوئے اس سے پہلے بھی اس قسم کا حادثہ ہو چکا تھا دریا پر گئے وہاں دریا میں پانی آ گیا۔ان کی کشتی پھنس گئی۔بھاگ کر سٹیشن پر جب پہنچے جیب میں ہاتھ ڈالا تو دیکھا بٹوا میرے کمرے میں چھوڑ آئے تھے کسی سے پیسے مانگ کر ٹکٹ لیا تو جاتے ہی انہیں ہارٹ اٹیک ہو گیا۔مجھے حضرت صاحب نے بھیجا کہ جاؤ جا کر ان کی خیریت پوچھو۔چنانچہ میں گیا وہ جس کو لوگ گورا وارڈ کہتے ہیں ...... اس میں پندرہ بیس تیس آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ان کی بیگم بھی بیٹھی تھی تو میں نے کہا مجھے حضرت صاحب نے بھیجا ہے انہوں نے ارشاد فرمایا کہ میں دعا کروں گا انشاء اللہ خدا تعالیٰ صحت دے گا وہ اٹھ کر بیٹھ گئے کہنے لگے کہ اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ مجھے صحت ہو جائے گی میں دعا کا قائل ہوں اور پھر انہوں نے یہ واقعہ سنایا۔جو میں سنانے لگا ہوں۔

کہنے لگے میں اور امین شیخ جن کا میں پہلے ذکر کر آیا ہوں۔باقی تین چار اور دوست تھے ہم گاڑی پر ربوہ سے لاہور کے لئے روانہ ہوئے جب سکھیکی پہنچے تو بعد میں تو اڈے شہر سے باہر منتقل ہو گئے تھے درمیان میں اڈہ ہوتا تھا۔وہیں سے سب بیٹھتے تھے وہیں رکتی تھیں گاڑیاں۔وہیں حضرت صاحب بھی رکا کرتے تھے اڈہ پر کام کرنے والے سب بچے حضرت صاحب کو جانتے تھے۔حضرت صاحب بچوں کو پیسے دے دیتے تھے تو وہ خوش ہو جاتے

تھے۔ ہم وہاں رکے ہوئے تھے ہر آنے والی گاڑی سے پوچھتے تھے تو وہ کہتے تھے ہمیں تو کوئی واقفیت نہیں ہے حتیٰ کہ عصر کا وقت ہوگیا۔ ایک گاڑی نظر آئی جو ربوہ سے ادھر آرہی تھی۔ اس میں حضرت صاحب بیٹھے تھے۔ حضور نیچے اترے پوچھا کیا بات ہے میں باہر کھڑا تھا میں نے کہا ہماری گاڑی اس طرح خراب ہوگئی ہے۔ حضرت صاحب نے کہا میرے ساتھ تو مستورات ہیں ورنہ بعض کو میں اپنے ساتھ لے جاتا تو آپ یوں کریں کہ ایک آدمی یہاں رک جائے باقی دوسری ٹرانسپورٹ پر واپس چلے جائیں اور گاڑی کو ٹو کرنے کا انتظام کر کے گاڑی لے جائیں چنانچہ حضور اپنی گاڑی میں بیٹھ گئے پھر نیچے اتر آئے یہ غلام صادق صاحب مجھے بتا رہے ہیں۔ نیچے اتر کر آئے اور فرمایا اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے تو یہ امریکہ کی بنی ہوئی کار بھی اس کے قبضہ قدرت میں ہے آؤ دعا کریں یہ سٹارٹ ہو جائے ہم یہ سن کر بڑے حیران ہوئے کہ کار کے لئے دعا کریں گے مگر حضرت صاحب نے وہاں کھڑے کھڑے دعا کے لئے ہاتھ اٹھا لئے تو وہ کہتے ہیں (پنجابی میں) شرم و شرمی ہم نے بھی ہاتھ اٹھا لئے اب اڈے والے بچے اور نوجوان سب اکٹھے ہوگئے تماشہ دیکھنے کے لئے کہ کار کے لئے دعا ہورہی ہے۔ چنانچہ دعا کے بعد حضور اپنی گاڑی میں بیٹھ کر چلے گئے۔ ہم تھکے ہوئے تھے ہم بھی جا کر اپنی گاڑی میں بیٹھ گئے۔ کسی نے اس کے سٹارٹ کا بٹن دبا دیا تو کار سٹارٹ ہوگئی۔ خواجہ صاحب کہنے لگے میں نے کہا کہ اب چلیں، دوستوں نے کہا نہیں اب تو اڈے پر کھڑے ہیں پھر جنگل میں جا کر کھڑے ہوگئے تو کیا ہوگا ہم تو نہیں جائیں گے۔ میں نے کہا اب کار بند نہیں ہوگی اب یہ ہمیں پہنچاوے گی۔ چنانچہ ہوا یہ کہ راوی کراس کیا اور گاڑی کھڑی ہوگئی۔ تو کہنے لگے مجھے یقین ہے کہ مجھے صحت ہو جائے گی انشاء اللہ وہ پھر ٹھیک ہوگئے اور اس کے بعد 15، 20 سال تک زندہ رہے۔

جب میں نیا نیا احمدی ہوا تو صوفی خدا بخش زیروی مرحوم یہاں ہوتے تھے۔ خلیفۃ المسیح الرابع (مرزا طاہر احمد) کے ساتھ وقف جدید میں ہوتے تھے۔ وہ ہمارے علاقے کے تھے۔ ان کو پتہ نہیں کیسے پتہ چل گیا کہ میں احمدی ہوگیا ہوں۔ ان کے ایک اور صوفی دوست جو نئے نئے احمدی ہوئے تھے نہایت پیارے ساتھی تھے صوفی بشارت الرحمٰن صاحب ان کو بھی پتہ چل گیا ہم چھت پر بیٹھے تھے کہ یہ آگئے کوئی سو ڈیڑھ سو لڑکا وہاں تھا۔ آ کر کہنے لگے Who is Muhammad Ali۔ میں نے کہا میں آپ کی کیا خدمت کرسکتا ہوں۔ کہا Are you Ahmadi میں نے کہا کہ اللہ کے فضل کے ساتھ احمدی ہوں۔ اس وقت تک کسی کو پتہ نہیں تھا کہ میں احمدی ہوں نہ میں نے کسی کو بتایا تھا، اس وقت تو ہنگامہ ہوگیا۔

اب ایک اور دوست کا ذکر اس لئے کرنے لگا ہوں کہ اس کے بغیر میں رہ نہیں سکتا۔ شبیر میرا ایک دوست ہوتا تھا۔ وہ کہنے لگا کہ تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا۔ میں نے کہا زیادہ باتیں نہ بناؤ۔ قاضی اسلم صاحب بھی احمدی ہیں۔ اس نے کہا کیا واقعی؟ میں نے کہا کہ کیمپس کے ساتھ ان کی کوٹھی ہے جا کر پتہ کرلیں۔ اس نے کہا میں پتہ کرتا ہوں اگر نہ ہوئے میں تمہارا مرڈر (Murder) کردوں گا۔ خیر وہ گیا اور آیا۔ اور کہنے لگا کہ سینئے جنٹلمین Qazi Muhammad Aslam is an Ahamadi اور یہ بھی احمدی ہے اور اگر اس سے کسی نے لڑنا ہو تو پہلے مجھ سے لڑے۔

میرا ایک دوست تھا بیدی۔ تیز طرار، بڑا ذہین قابل لڑکا تھا اور میرا بڑا دوست تھا وہ میرے پاس بیٹھ کر پڑھا کرتا تھا اور کبھی میں اس کے کمرے میں بیٹھ کر پڑھا کرتا تھا۔ میرا اور فلیٹ تھا اس کا اور فلیٹ تھا۔ بیدی کا شروع کروں گا تو ختم نہیں ہوگا۔ بڑی مخالفت ہوئی۔ رضا ایک دوست ہوتا تھا۔ بڑا مخالف تھا۔

ایک مرتبہ یونیورسٹی میں ملک یمین یعنی لونڈی کے مسئلہ پر اختلاف ہوگیا۔ میں نے کہا مولوی صاحب سے جا کر پوچھو۔ مولوی صاحب گورنمنٹ کالج کے پروفیسر تھے مولوی کریم بخش صاحب بڑے سکالر تھے۔ لیکن ان کی طبیعت اپنے رنگ کی تھی، ...... حضرت صاحب اس کی قدر بھی کرتے تھے۔ اچھے آدمی تھے۔ میں نے کہا مولوی صاحب سے پوچھو۔ انہوں نے کہا کہ مولوی صاحب نے کہا ہے کہ منڈی لگی ہو۔ بک رہی ہو تو وہاں اجازت ہے۔ میں نے کہا حضرت مصلح موعود تشریف لائے ہوئے ہیں۔ حضور وہاں ٹھہرے ہوئے تھے ٹمپل روڈ پر۔ ان کے پاس چلے چلیں۔ کہنے لگے ٹھیک ہے میں نے کہا ان کا لیڈر بیدی نہیں ہوگا۔ سب نے کہا بیدی ہی لیڈر ہوگا۔ بیدی بڑا اتیز طرار لڑکا تھا۔ مجھے خطرہ تھا کہ حضرت صاحب کے سامنے کہیں گستاخی نہ کردے۔

پہلے بیدی کی طبیعت کا سن لیں۔ اس نے پرچہ لکھا اردو کا 50 مارکس کا ہوتا تھا۔ اس نے لکھا بسم اللہ...... خاکسار کی رائے میں گورنمنٹ کالج لاہور میں ایک مسجد ہونی چاہئے جہاں مسلمان طلباء باجماعت نماز ادا کرسکیں۔ اس پر اسے 50 میں سے 49 مارکس دے دیئے ایک اور لڑکا ہوتا تھا۔ اس کی اردو بہت اچھی ہوتی تھی۔ بعد میں سی ایس پی میں آگیا تھا اقبال تو اس کو کوئی 25,26,27 مارکس یا 30 ہوں گے، ملے۔

بیدی اپنا پرچہ لے کر ساتھیوں کو دکھاتا پھر رہا تھا۔ اقبال نے اس سے پرچہ چھین لیا اور پرنسپل صاحب کے پاس چلا گیا اور کہا کہ یہ دیکھیں کہ مولوی صاحب نے یہ مارکس دیئے ہیں۔ مولوی صاحب کو بلایا۔ مولوی صاحب کیا یہ مارکس آپ نے دیئے ہیں؟ کہنے لگے میں نے دیئے ہیں شرافت کے مارکس بھی ملتے ہیں اور لیاقت کے مارکس بھی دیتے ہیں یہ لیاقت کے مارکس ہیں اور یہ شرافت کے مارکس ہیں۔ تو بیدی کے متعلق مجھے بڑی گھبراہٹ تھی۔

بہرحال ہم سب مل کر حضرت صاحب کے پاس چلے گئے۔ دس لڑکے ہوں گے شاید۔ نماز کا وقت تھا۔ حضور کے پیچھے جا کھڑے ہوئے۔ حضور کے پیچھے میں اور میرے دائیں طرف بیدی۔ اس نے پہلے یہ کیا کہ سر پر رومال باندھ لیا۔ میں نے کہا چلو کچھ تو ادب کیا ہے۔ نماز پڑھی اس نے بغیر وضو کے اور جب حضور بیٹھ گئے۔ ہاں یاد آیا کہ حضور کے تشریف لانے سے پہلے حضرت مولوی خدا بخش صاحب ہوتے تھے۔ مکرم عطاء الرحمٰن صاحب جو ہمارے مربی تھے ان کے والد۔

بڑے درویش آدمی تھے بڑی اونچی آواز تھی ان کی۔ انہوں نے اعلان کیا کہ ''احباب کان کھول کر سن لیں کوئی حضرت صاحب سے سوال نہ کرے۔ حضرت صاحب کا گلا خراب ہے۔ تین دفعہ یہ اعلان کیا۔'' میرے دل میں آیا کہ بیدی نے جا کر واپس کہہ دینا ہے کہ میں نے پیغام بھیج دیا تھا کہ سوال نہیں کرنا۔

بہرحال حضور نماز ادا کر کے ہماری طرف منہ کر کے بیٹھ گئے۔ میں بالکل سامنے تھا۔ میں نے بیدی کو چونڈی کاٹی کہ کرو سوال اور وہ سر جھکائے بیٹھا رہا میں نے تعارف کرایا کہ حضور یہ بیدی ہیں۔ حضور نے فرمایا آپ کہاں کے رہنے والے ہیں۔ گوجرانوالہ کے آپ گنڈا سنگھ بیدی کو جانتے ہیں۔ جی وہ میرے بڑے بھائی ہیں۔ اچھا فلاں آپ کے دادا اور فلاں حضور نے کھول دیا اب پھر وہ سر جھکائے بیٹھا ہے۔ میں نے پھر چونڈی کاٹی کہ سوال کرو۔ پھر حضرت صاحب نے خود ہی پوچھا کہ کس کلاس میں پڑھتے ہیں کہا M.A میں۔ کیا مضامین ہیں۔ کہا ہسٹری۔ ہسٹری میں کیا پڑھتے ہیں۔ بتایا۔ فرمایا یہ کیا ہے۔ M.A میں پڑھتے ہیں اور یہ پڑھتے ہیں اور یہ پڑھتے ہیں یہ تو لائبریری میں ریفرنس بکس مل جاتی ہیں اور میٹرک پاس بھی جا کر دیکھ سکتا ہے کہ فلاں بادشاہ تھا کب پیدا ہوا اور کب فوت ہوا۔ فلسفہ تاریخ پڑھتے ہیں کہا نہیں۔ مقدمہ ابن خلدون کا ذکر کیا اور اس پر حضرت صاحب نے پندرہ منٹ تقریر فرمائی۔ اب پھر سناٹا اس پر پھر میں نے ہی عرض کیا کہ حضور یہاں ہمارے ہوسٹل میں یہ مسئلہ پیدا ہوگیا ہے۔ مولوی صاحب نے یہ کہا ہے اور فلاں صاحب کا یہ فتویٰ ہے۔ اب ہم آپ سے پوچھنے آئے ہیں کہ کیا دین میں لونڈیاں رکھنے کی اجازت ہے۔ فرمایا لونڈیاں تو ہمارے گھر میں بھی ہوتی ہیں لونڈی سے مراد عورت ہے۔ میں نے کہا حضور نہیں لونڈی بطور بیوی کے۔ حضرت صاحب کو سمجھ تو آگئی تھی میری اصلاح کرنا چاہتے تھے فرمایا ہاں یوں کہو اس پر حضور نے تقریر فرمائی۔

ویسے ایک اور واقعہ یاد آگیا حضرت مصلح موعود کا علامہ علاؤالدین ہوتے تھے جو پنجاب یونیورسٹی کے وائس چانسلر ہوگئے تھے لیکن اس وقت تو اسلامیات کے پروفیسر تھے ہمارے کالج میں بھی تشریف لائے تھے۔ میں یونیورسٹی کی سینٹ کا ممبر تھا۔ میٹنگز ہوتی تھیں وہاں ملاقات ہو جاتی تھی۔ میں علامہ صاحب سے ملنے گیا سلام دعا ہوئی جب میں جانے لگا تو کہا کہاں چلے ہو میں تمہیں جانے نہیں دوں گا۔ میں نے کہا کیا بات ہے؟ آج تو بات ہونی ہے آپ جائیں نہیں چنانچہ اولڈ کیمپس کی بات ہے شامیانہ لگا ہوا تھا۔ جس میں ہائی جنٹری لاہور کی، پڑھے لکھے پروفیسرز، ٹیچرز اور وکیل سب موجود تھے تو ایک صاحب نے مقالہ پڑھا۔ مقالہ کا عنوان تھا ملک یمین اور فلاں کا یہ مذہب ہے۔ فلاں کا یہ مذہب ہے۔ اور حضرات! ایک مذہب مرزا محمود احمد صاحب کا بھی ہے۔ انہوں نے بھی ڈیڑھ انچ کی مسجد الگ بنائی ہے اور وہ یہ کہتے ہیں جب اسے دو منٹ ہوگئے تو علامہ صاحب کھڑے ہوگئے انہوں نے کہا کہ یہ باتیں بند کریں۔ حضرات! میں احمدی نہیں ہوں آج جب میں گھر سے آرہا تھا تو میں سمجھتا تھا کہ ہمارے بزرگوں نے اس مسئلے پر جو جھک ماری ہے۔ آج اس کا کچھ مداوا ہوجائے گا حضرات میں احمدی نہیں ہوں لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس مسئلے پر جو مذہب مرزا محمود احمد صاحب کا ہے۔ وہی صحیح ہے تو یہ حضور کی جو علمی شان تھی حضور کی جو لیڈرشپ تھی۔ اس کا کیا کیا ذکر کریں ہم۔

اب خیال کریں کہ جب قافلہ آیا ہے قادیان سے ہم لوگ ابھی قادیان میں تھے تو وہاں سے جو آتا تھا ظاہر ہے قدرتی بات ہے جیسے میگنٹ لوہے کو کھینچتا ہے تو وہ لاہور پہنچتے ہی پہلے قصر خلافت پہنچ جاتے تھے۔ قصر خلافت تو نہیں تھا۔ وہ رتن باغ پہنچ جاتے تھے۔ رتن باغ کے پچھلی طرف ایک باغیچہ سا تھا تو شاید رتن باغ اسی لئے کہتے تھے۔ تو وہاں احمدیوں کا پورا کیمپ لگا ہوا تھا۔ ہزاروں کی تعداد میں اور حضرت صاحب کے ہاں جو اس وقت سالن پکتا تھا اس کے متعلق حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کا خط گیا وہاں قادیان۔ ہم لوگ قادیان میں تھے ان کی طبیعت میں بڑا مزاح تھا۔ فرمایا جس شوربے سے ہم آج کل کھانا کھا رہے ہیں اس کے متعلق ہمارے بعض فقہاء کی رائے ہے کہ اس سے وضو جائز ہے۔ یہی کھانا حضرت صاحب کھاتے تھے۔ یہی کھانا خاندان کے سب افراد جو ایک ہی کوٹھی میں مقیم تھے کھاتے تھے تہہ خانہ میں جگہ ملی ہوئی تھی چھوٹے چھوٹے کمروں میں وہیں سب رہ رہے تھے۔

اس سلسلہ میں نوابزادہ میاں حامد احمد خان صاحب کا واقعہ ہے انہوں نے مجھے بتایا کہ میری امی کو جو حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کی صاحبزادی تھیں سخت بخار ہوگیا اور پھر بخار اتر بھی گیا۔ چھوٹی سی جگہ ہی ہوتی تھی تو جی چاہتا تھا کہ پسند کی چیز کھائیں۔ اب جو ملتی تھی روٹی اور شوربہ سا ملتا تھا آلوؤں کا ہوگا یا کسی چیز کا تھا۔ جی نہیں چاہتا تھا تو ہم نے دیکھا کہ رات کے وقت کوئی آیا ہے تو امی کے تکیہ کے نیچے ہاتھ مارا ہے اور چلا گیا ہے ہم نے اٹھ کر دیکھا تو وہاں سو روپیہ کا نوٹ رکھا ہوا تھا۔ یہ

حضرت صاحب تشریف لائے تھے۔حضور سو روپیہ کا نوٹ رکھ گئے کہ ان کو ضرورت ہے اور صبح کے وقت وہ کہتے ہیں میں گیا اور سو روپے کے کباب لے آیا اب کبابوں کی خوشبو سارے رتن باغ میں پھیل گئی اور سب چلے آئے۔پھر ہمیں تھوڑا سا حصہ ہی ملا تو یہ حالت تھی اس زمانہ میں۔ بلکہ ایک اور واقعہ حضور کا ، ہر روز اجلاس ہوا کرتا تھا انجمن کا۔ کرسیاں تو ہوتی نہیں تھیں دریاں ہوتی تھیں۔ میرے ایک دوست تھے صدیق جو ہائیکورٹ کے جج ہوگئے تھے۔اس نے مجھے کہا کہ ہائیکورٹ کے دو تین جج ہیں وہ مرزا صاحب سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں تو مناسب ہے کہ اتوار کو ہوجائے۔ میں نے کہا میں حضرت صاحب سے پوچھوں گا تو جب انجمن کی میٹنگ ختم ہوئی تو میں نے حضرت صاحب کے ساتھ اسی طرح کمرے کے اندر چلنا شروع کر دیا۔سیڑھیاں اندر ہی تھیں میں نے کہا حضور اس طرح صدیق میرا دوست ہے اس نے مجھ سے کہا ہے کہ ہائیکورٹ کے تین جج ہیں (یا شاید چار تھے) جو حضور سے ملنا چاہتے ہیں تو اتوار کو مناسب رہے گا۔میری گستاخی دیکھیں اب بھی پسینہ آجاتا ہے جب میں سوچتا ہوں کہ میں نے کیا کہا۔میرا کام تھا کہ میں پرائیویٹ سیکرٹری سے کہتا۔وہ آگے بات کر کے مجھے بتاتے۔حضرت صاحب چل رہے ہیں اور خاموش ہیں میں ساتھ ساتھ چلتا رہا۔حضور سیڑھیوں کے پاس کھڑے ہوگئے اور فرمایا۔

دیکھو یہ کپڑے جو میں پہنے ہوئے ہیں ان کو پہنے ہوئے اتنا عرصہ ہوگیا ہے اور میں پسند نہیں کرتا کہ معزز غیر (از جماعت) حضرات سے اس حالت میں ملوں۔تو اس حالت میں جب ہم پاکستان پہنچے ہیں (قادیان سے) تو صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب نے فرمایا تھا کہ حضرت صاحب کی خدمت میں یہ پیغام پہنچانا کہ پرنسپل کی طرف سے گزارش ہے کہ فی الحال کالج شروع نہ کیا جائے۔ جماعت جب سیٹل ہو جائے گی تو تب شروع کریں گے چنانچہ میں نے کہا کہ حضور ایک پیغام بھی لایا ہوں۔حضور نے پیغام سنا اس پر جو کالج کمیٹی کے ممبر تھے۔ان میں حضرت ملک غلام فرید صاحب، حضرت درد صاحب، حضرت میاں بشیر احمد صاحب کمیٹی کے صدر تھے اور بھی شاید ایک آدھ ہو تو پہلے ملک صاحب نے کہا حضور میرا بھی یہی خیال ہے پھر درد صاحب کہنے لگے میرا بھی یہی خیال ہے اس پر میاں بشیر احمد صاحب نے بھی یہی کہا کہ حضور خیال تو میرا بھی یہی ہے اس پر فرمایا۔

آپ کو کیا پیسوں کی فکر پڑی ہوئی ہے۔(بڑی اونچی آواز سے دور تک سنائی دی) آپ کو کیا پیسوں کی فکر پڑی ہوئی ہے۔یہ کالج چلے گا اور آج سے شروع ہونا چاہئے۔ پاکستان کی زمین پر آسمان کے نیچے جہاں جگہ ملتی ہے۔آج سے شروع ہونا چاہئے۔

تو حضرت صاحب کا ایک طرف یہ خیال تھا اور ایک طرف شہروں کے شہر خالی پڑے تھے لوگ آرہے ہیں کہ کہاں سیٹل کیا جائے۔ایک کمیٹی میں میں بھی شامل تھا۔حضور کا حکم تھا کہ ہم اس طرح سیٹل نہیں ہوں گے۔ بہت چاہتے تھے کہ سانگلہ ہل خالی پڑا ہے۔وہاں رہ جاتے ہیں۔ وفد بھی گئے تھے لیکن ان حالات میں جو مالی حالات تھے کہ جماعت بالکل اَن سیٹ جماعت تھی۔ پیسے نہ ہونے کے برابر تھے۔حضور نے فرمایا نہیں ہم اس طرح الاٹ نہیں کروائیں گے۔ہم اس طرح آباد نہیں ہوں گے ہمارا مرکز ہوگا ہم اپنی زمین خرید کر رہیں گے یہ زمین خرید کر آباد ہوئی ہے اور اس زمین کا نصف خرچ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے خود ادا کیا اگر چہ اس کے آباد ہونے کے باوجود بھی اس کے کچھ حصہ پر دوسرے قابض ہوگئے۔لیکن اللہ تعالیٰ کا احسان ہے ہم اور ہماری نسلیں جو یہاں آباد ہیں۔اپنے ماحول میں آباد ہیں۔

یہ اللہ کا احسان ہے ہم پر اس پر ہمارا فرض ہے کہ ہم سب دعاؤں کے محتاج ہیں۔ایک دوسرے کے لئے دعا کریں۔ہم سب پر بہت بڑی ذمہ داری ہے۔اتنی بڑی ذمہ داری ہے اتنی بڑی ذمہ داری ہے کہ جتنی خلفاء کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ اب خیال کریں کہ نہ ہمارے پاس پیسہ ہے نہ ہمارے پاس جائیداد ہے نہ ہمارے پاس جمعیت ہے نہ ہمارے پاس حکومت ہے نہ ہمارے پاس تجارت ہے کوئی ذریعہ نہیں ہے لیکن اللہ نے ساری دنیا پر ایک رعب قائم کیا ہوا ہے۔علمی لحاظ سے بھی عملی لحاظ سے بھی۔

ایک واقعہ یاد آیا ربوہ میں پہلا جلسہ ہوا ہم نے اپنے خیمہ کے پیسے دیئے تھے کہ الگ خیمہ مل جائے اور میں نے اپنی بہنوں کو جو ابھی احمدی نہیں ہوئی تھیں جلسہ پر بلایا۔ جب پہنچے تو دوسرے لوگوں نے خیموں پر قبضہ کیا ہوا تھا اور خالی نہیں کرتے تھے۔مجھے لوگوں نے اکسایا کہ مرزا ناصر احمد خالی کروا سکتے ہیں۔معاملہ پہلے ہی تلخ ہو چکا تھا۔میں نے میاں صاحب سے کہا کہ خیمہ خالی کرا دیں۔ آپ نے فرمایا میں کیسے کرادوں۔نہ میں افسر جلسہ سالانہ اور نہ میرے سپرد خیمے کئے تھے۔اس پر میری شامت اعمال کہ میں نے کہہ دیا میاں صاحب فیر اینے اوکھے نہ ہووو۔اساں بیعت تو ہاڈے ابا جان دی کیتی اے تو ہاڈی نئی کیتی۔حضرت صاحب فرمانے لگے میں نے کب کہا ہے کہ میری بیعت کی ہے۔مرزا خورشید احمد صاحب اور دیگر احباب بھی وہاں کھڑے تھے۔خیر میں نے بہنوں کو بلایا،سمجھ نہیں آرہی تھی کہ کیا کروں۔میاں چوہدری عبدالواحد صاحب مرحوم ہوتے تھے۔تو انہوں نے کیا کیا ایک خیمہ میں مرد ہو گئے اور ایک خیمہ مستورات کو دے دیا۔ بہنوں کو میں نے وہاں بیٹھا دیا۔بات یہاں ختم نہیں ہوئی۔معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مصلح موعود تک یہ بات کسی ذریعہ سے پہنچ گئی کہ محمد علی کی بہنیں بھی آئی ہوئی ہیں۔اس پر رات کے وقت (میں سمجھتا ہوں ڈیڑھ بجا ہوگا) سید میر داؤد احمد صاحب لالٹین لی ہوئی ہے اور مجھے ڈھونڈتے پھر رہے ہیں۔حضور کو بھائی کہتے تھے سارے۔ بھائی نے بھیجا ہے اور فرمایا ہے کہ ایک خیمہ خالی کروا دیا ہے اپنی بہنوں کو لے کر وہاں آجائیں۔

اب دو واقعات ہیں۔ایک خلیفۃ المسیح الثانی اور ایک خلیفۃ المسیح الثالث کا۔مجھے یاد ہے میں نے خود دیکھا کہ رتن باغ میں گیا۔اور مولوی محمد علی صاحب وہاں حضرت مصلح موعود سے ملنے آئے۔ مولوی صاحب کی ڈلہوزی میں کوٹھی تھی۔فسادات کے دنوں میں وہاں جا کر ٹھہرے ہوئے تھے۔ حضرت مصلح موعود کی یہ شان ہے کہ جس شخص نے سب سے زیادہ دکھ حضرت صاحب کو پہنچایا۔اس کے بعد حضور نے معاف کر دیا۔مولوی محمد علی صاحب تھے۔ان کو ڈلہوزی سے آدمی بھیج کر منگوالیا اور مولوی صاحب حضور کا شکریہ ادا کرنے آئے تھے......اس پر بس ایک واقعہ کمیونیکیٹ کرنا چاہتا ہوں یاد آ گیا ہے۔

واقعہ یوں ہوا میں لندن جلسہ پر گیا۔جب جلسہ ختم ہوا تو جلسہ گاہ سے باہر آرہے تھے کہ مکرم آفتاب احمد صاحب امیر جماعت نے ایک دوست سے تعارف کرایا کہ چوہدری صاحب یہ لاہوری جماعت کے ہیں، بزرگ تھے تو میرے منہ سے ایک بات نکل گئی کہ شکر ہے پیغامی بھائی بھی جلسہ پر آنا شروع ہوگئے ہیں۔اب مجھے نہیں پتہ تھا کہ وہ پیغامی کہلانا پسند نہیں کرتے حاشاوکلا میں نے اس رنگ میں نہیں کہا تھا۔تو وہ بگڑ گئے کہنے لگے لو اب ہمیں یہ پیغامی کہتے ہیں اور کافی تلخی سے بولنا شروع کر دیا۔اس پر وہاں لوگ (چونکہ جلسہ کے بعد باہر آرہے تھے) اکٹھے گئے۔ 700 کا مجمع ہوگیا۔اس سے زیادہ کا نہیں ہوگا میں نے کہا جناب میری غلطی ہے مجھے اس کا احساس نہیں تھا کہ آپ برا مناتے ہیں لیکن آپ کو یہ بات سن کر جانا پڑے گا۔یہ بات اب آپ کو سنی پڑے گی۔میں نے کہا میں اور خلیفہ ثالث کالج کی سینٹ کے ممبر تھے۔جب خلیفہ ہوگئے تو سینٹ میں جانا بند کر دیا میں جاتا تھا۔یہ 1974ء کے فسادات کی بات ہے۔شروعات ہوئی تھیں۔میں نے عرض کیا حضور میٹنگ میں شمولیت کی درخواست آئی ہے۔لیکن میں جاؤں گا نہیں۔ حضور نے فرمایا کہ نہیں،تم جاؤ گے تم نے جانا ہے۔ گورنمنٹ نے ہماری پرفارمنس کی وجہ سے سٹیٹس کی وجہ سے ہمیں انڈیپنڈنٹ سٹیٹس دیا ہوا تھا گورنمنٹ کی طرف سے پورے لاہور کو اور ہمارے کالج کو۔گورنمنٹ نے دے دیا تھا۔لیکن یونیورسٹی نے ابھی سرٹیفائیڈ نہیں کیا تھا اور یہ معاملہ یونیورسٹی میں پیش کرنا تھا۔حضرت صاحب نے فرمایا تمہارا معاملہ پیش ہونا ہے تم نے جانا ہے وہاں۔چنانچہ میں چلا گیا تو پہلے سے یہ پروگرام بنا ہوا تھا 15-20 آدمی ملے ہوئے تھے کہ جب یہ معاملہ پیش ہو تو بحث ہوتی رہے۔یہ معاملہ ختم نہ ہو......لمبی لمبی تقریریں کریں گے اور وقت ختم ہو جائے گا اور یہ میٹنگ ایک دن کی ہوتی تھی پھر اگلے سال یہ اجلاس جا پڑے گا اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ یونیورسٹی ہمیں یہ سٹیٹس دے۔پھر ہمارے 10 ایم ایس سی میں لڑکے جاتے تھے اور 10 کی فرسٹ کلاس آجاتی تھی تو کہتے تھے مرزائی خود ہی لے لیتے ہیں۔

چنانچہ ہمارا کیس ٹاپ پر تھا۔تو وہاں ڈاکٹر رفیع احمد چوہدری صاحب ہوتے تھے۔وہ فزکس کے تھے اور جو گورنمنٹ کالج کی ہائی ٹینشن لیبارٹری تھی اس کے انچارج بھی تھے۔حضرت صاحب کے بڑے معتقد تھے۔بڑا ادب بھی کرتے تھے۔طبیعت کے بڑے سادہ تھے۔جب ہم نے ایم ایس سی کی Application (درخواست) کی وہ ممبر تھے......انہوں نے کہا یہاں ایم ایس سی نہیں ہونی چاہئے کیونکہ یہاں کلّر بہت ہے اور عمارت کی کوئی عمر نہیں اور وہ کہا کرتے تھے کہ تمہارے حق میں یہ بات کہی تھی۔اس سے آپ کو بڑا فائدہ ہوا تو میں نے ان کو پاس بٹھایا ہوا تھا۔اگر یہ نہ بولے تو میں انہیں کہوں گا اٹھو بولو اور اس طرح 15-20 آدمیوں کو بریف کیا ہوا تھا۔بولتے چلے جانا رکنا نہیں۔ اتنے میں تلاوت ہوئی۔ڈاکٹر اجمل صاحب وائس چانسلر تھے میرے کلاس فیلو بھی تھے۔دوست تھے وہ ایک احمدی کے بیٹے تھے خود تو احمدی نہیں تھے۔ والدہ کی علیحدگی ہوگئی تھی۔والدہ کے پاس ہی رہتے تھے۔شریف آدمی تھے قابل آدمی تھے بعد میں سنٹر میں ایجوکیشنل سیکرٹری بھی ہوگئے تھے۔پھر نیشنل پروفیسر ہوگئے تھے۔حضرت صاحب کا بڑا ادب کرتے تھے۔کیس ابھی پیش ہوا ایجنڈا ہوتا تھا اتنا موٹا (ہاتھ کے اشارے سے) چھپا ہوا۔تو پیش اس طرح ہوتا ہے۔پیج فلاں نمبر فلاں ....

No Taken as Passed.

Objecteion. Any Objection اس طرح ہوتا تھا جلدی جلدی پیش ہوتا تھا۔واحد حسین ہمارے رجسٹرار تھے۔حضرت صاحب نے ان کی پرورش کی تھی۔وہ PA تھے جب ان کو کالج میں لیکچرار لگا دیا تھا لیکن انہوں نے ہماری بڑی مخالفتیں کی تھیں۔تو ابھی تلاوت ختم ہوئی ہے تو یہ کیس پیش ہوگیا۔اب پیش کیا ہوا۔ایجنڈا ایک اور تھا وہ یہ تھا Seciology of Religion ایک Subject بنایا تھا۔ Sociology of Religion مذہب کی عمرانیات۔اس پر بہت سی کتابیں ریکمنڈ کی ہوئی تھیں۔یعنی ریکمنڈ کونسل پہلے ریفر کرتی ہے پھر سینٹ میں آتا ہے تو 15-20 نام تھے۔تو یہ چوہدری صاحب کھڑے ہوگئے۔مسٹر وائس چانسلر سر I move new Amendment...........انہوں نے میرے حق میں اپنی طرف سے بات کی ہوگی۔ That the Islam by book relgion of the Molvi Mohammad Ali in the list should be included in the list شور مچ گیا۔آدھے سے زیادہ ہاؤس تو میرا مخالف تھا۔ ایک کھڑا ہوا۔ Which Molana M.Ali تو انہوں نے کہا Not Molana Muhammad Ali Johar but

Molana Muhammad Ali of Jamat Ahmadiyya Lahore اس پر شور مچ گیا۔ ڈیسک بجنے شروع ہوگئے کہ نہیں ہوسکتا نہیں ہوسکتا۔اس پر مجھے خیال آیا۔ میں کھڑا ہوا تو یہ صاحب بھی کھڑے ہوگئے۔اور کہا سر Amendment.......اب میں آپ کو بتاتا ہوں کہ جب میں حضرت صاحب کے پاس واپس آیا اور حضور سے عرض کیا اور جب میں اس بات پر پہنچا تو حضور نے غصے میں ٹہلنا شروع کر دیا۔ جب حضور کی طبیعت پر بوجھ ہوتا تھا چہرہ سرخ ہو جاتا تھا فرمایا تم لوگ بڑے بے غیرت ہو تم کیوں نہیں بولے میں نے کہا حضور انہوں نے مجھے ڈراپ کر دیا ہوا تھا۔لیکن بات ختم نہیں ہوئی ابھی بات رہتی ہے۔ چنانچہ اس کے بعد وائس چانسلر تھے شیخ امتیاز علی۔ وہ لاء کالج کے پرنسپل بھی تھے حضرت صاحب کے بڑے دوست تھے۔حضور میں ان کے پاس گیا کہ میں رپورٹ حضرت صاحب کو دے رہا ہوں۔ میں نے کہا شیخ صاحب آپ اتنی تقریریں کیا کرتے ہیں Freedom of Independent thought آج کیا ہوا ہے۔ کہنے لگے چوہدری صاحب ہم بڑے بزدل ہیں۔ میں نے کہا آج آپ نہیں بولے کل پھر میٹنگ رکھی ہے۔ تو کل آپ کو بولنا ہوگا وہ کہنے لگے میں آپ سے وعدہ نہیں کرتا اور مجھے کہا کہ آپ بول ہی نہیں سکتے میں نے کہا کیوں؟ یہ ایک دن کی میٹنگ ہوتی ہے اب انہوں نے گورنمنٹ سے سپیشل اجازت لے کر ایک دن میٹنگ اور رکھی ہے۔ اور یونیورسٹی پر کئی لاکھ روپیہ کا بوجھ پڑ گیا ہے۔ باہر کے ملکوں سے بھی آتے تھے۔ پہلے ایجنڈے پر میٹنگ تھی۔ اب ایجنڈا ختم ہوگیا ہے تو آپ نہیں بول سکتے۔ میں نے کہا میں نے نہیں بولنا آپ نے بولنا ہے۔ میں وعدہ نہیں کرتا موقع دیکھ کر۔ میں نے کہا اچھا پھر نہ بولنا۔ یہ باتیں حضرت صاحب کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں میں غصہ کھا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ جب میں دروازہ پر پہنچا تو ان کی آواز آئی چوہدری صاحب آپ رک جائیں۔ ایک بات میں آپ کو بتا دیتا ہوں ایک اور مضمون ہے جو اسلامیات کا ہے۔ Islamic Studies کے ایم اے میں یہی کتاب Recomended ہے۔ میں نے کہا آپ نہ بولیں میں بول لوں گا۔ آپ بول نہیں سکیں گے۔ اگلے سال آپ ایجنڈے میں رکھوائیں پھر بول سکیں گے۔ میں نے کہا دیکھا جائے گا یہ پیارے دوست ڈاکٹر اجمل صاحب۔ میں ان کا احترام بھی کرتا ہوں دوست بھی تھے بڑے۔ حضرت صاحب کا بڑا ادب کرتے تھے (یہ باتیں حضرت صاحب سن رہے ہیں اور یہ سب باتیں میں لندن میں سنا رہا ہوں۔ ان کو جو پیغامی دوست تھے) تو اگلے دن میٹنگ شروع ہوئی تلاوت کرنے والا نہ آیا۔ تو مجھے اقبال سمیع صاحب تھے جو رجسٹرار تھے۔ وہ کہنے لگے کہ چوہدری صاحب Do you Recite the Holy Quran میں نے کہا With Pleasure لیکن آپ دوستوں سے پوچھ لیں کہ .... I am Ch. Muhammad Ali from Rabwah اتنے میں تلاوت کرنے والا آ گیا۔ تلاوت ہوئی۔ میں کھڑا ہوگیا اس پر شور مچ گیا۔ میں نے وائس چانسلر سے کہا Sir I want your Ruling آپ رولنگ دیں۔ میں ایک بات کرنا چاہتا ہوں۔ کل This University was insulted and I want to speak on this...... اجمل کی یہ خوبی ہے۔ قطعاً کل اجازت اس کی نہیں دیتا تھا۔ اس نے کہا All right اب جب میں نے شروع کیا کہ کل یہاں واقعہ ہوا ایسا ہوا تو شور مچ گیا۔ ڈیسک بجنے لگے۔ نہیں ہوسکتا نہیں ہوسکتا وقت ضائع ہو رہا ہے یہ ہو رہا ہے وہ ہو رہا ہے۔

میں نے کہا میں نہیں بیٹھوں گا جب تک مجھے وائس چانسلر صاحب کی پروٹیکشن حاصل ہے اور رولنگ جاری ہے۔ .... میں نے کہا یہ ہے Sociology of Religion مولوی محمد علی صاحب کا بھی ایک ریلیجنز تھا۔ ہوسکتا ہے وہ اسلام نہ ہو۔ سمجھ لیں وہ اسلام نہیں تھا وہ ریلیجنز تو تھا۔ اس کا بھی حق تھا دوسرا دیکھیں کھولیں۔ اسلامک سٹڈیز کا نصاب نکالیں۔ ایم اے میں یہ کتاب Recomended ہے۔ اب بات لمبی ہوگئی تھی۔ تو وائس چانسلر نے کہا۔ چوہدری صاحب What you want میں نے کہا I am not a book seller لیکن میں پرنسپل ہوں۔ اس کو واپس بھیجیں اکیڈیمک کونسل کے پاس۔ انہوں نے ایسا ہی کیا اور بات ختم ہوگئی۔ حضرت صاحب خوش ہوگئے۔

بھیرہ سے ہم کو نصرت پہنچی ہے (مسیح موعود)

مکرم محمود مجیب اصغر صاحب

حضرت مسیح موعود کو اللہ تعالیٰ نے ایک کثیر تعداد تقویٰ شعار رفقاء کی عطا فرمائی۔ فرمایا:

''اور میرے سب دوست متقی ہیں لیکن ان سب سے قوی بصیرت اور کثیر العلم اور زیادہ تر نرم اور حلیم اور اکمل الایمان (-) اور سخت محبت اور معرفت اور خشیت اور یقین اور ثبات والا ایک مبارک شخص بزرگ متقی و عالم صلاح فقیہ جلیل القدر محدث اور عظیم الشان حاذق حکیم حاجی الحرمین حافظ القرآن قوم کا قریشی نسب کا فاروقی جس کا نام مع لقب گرامی مولوی حکیم نورالدین بھیروی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو دین و دنیا میں بڑا اجر دے اور صدق و صفا اور اخلاص اور محبت اور وفاداری میں میرے سب مریدوں سے وہ اول نمبر پر ہے۔''

حضرت مولوی حکیم نورالدین صاحب کا مولد و مسکن بھیرہ تھا۔ آپ ماموز زمانہ کی تلاش میں برصغیر کے ایک سرے سے دوسرے سرے اور سرزمین حجاز تک بھی گئے بالآخر آپ کی عقدہ کشائی قادیان میں ہوئی۔

آپ نے کمال اخلاص اور وفا کے ساتھ حضرت مسیح موعود کی نصرت فرمائی اور آپ کو دیکھ کر بھیرہ اور مضافات کی ایک کثیر تعداد (ہر طبقہ سے) متاثر ہوئی اور حضرت مسیح موعود کے دامن سے وابستہ ہوگئی۔

بھیرہ اور حضرت مفتی محمد صادق صاحب کی ایک خواب

بھیرہ کے متعلق حضرت مفتی محمد صادق صاحب فرماتے ہیں:

شہر بھیرہ جو پنجاب کا ایک بہت ہی قدیمی شہر دریائے جہلم پر واقع ہے اور قادیان سے بذریعہ ریل......دو سو تیرہ (213) میل کے فاصلہ پر ہے۔ (ذکر حبیب مؤلفہ ص 3)

مزید فرماتے ہیں:

ایک دفعہ میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت مسیح موعود...... بھیرہ میں منڈی میں جا رہے ہیں جس کو وہاں گنج کہتے ہیں۔ جب یہ خواب میں نے حضرت صاحب کی خدمت میں عرض کیا تو حضرت صاحب نے فرمایا:

بھیرہ سے ہم کو نصرت پہنچی ہے۔

(ذکر حبیب ص 163, 164)

حضرت مسیح موعود کا ایک رویا تذکرہ میں درج ہے کہ حضرت مسیح موعود نے دیکھا کہ آپ نشیب میں کھڑے ہیں اور ایک بندہ خدا (حضرت مولانا نورالدین) نے آپ کا ہاتھ پکڑا۔

(اپریل 1887ء)

غالباً اسی لئے فرمایا بھیرہ سے ہم کو نصرت پہنچی ہے۔

حضرت مسیح موعود نے جہاں اپنی تحریرات میں حضرت مولوی نورالدین صاحب کی صفات حسنہ اور پاکیزہ سیرت اور بے لوث خدمت دین اور شاندار مالی قربانیوں اور کامل اطاعت اور للّٰہی محبت کا ذکر فرمایا ہے وہاں بھیرہ کے بعض رفقاء کا بھی ذکر کیا ہے۔ 313 کی فہرست میں 19 رفقاء بھیرہ کے ہیں۔ 1892ء کے جلسہ سالانہ قادیان میں شرکت کرنے والوں کے نام میں درج ہیں۔ ان میں سے نمبر 1 تا 7، 320,74 بھیرہ کے ہیں۔ 24 فروری 1898ء کو حکومت وقت کے نام حضرت مسیح موعود نے ایک اشتہار میں اپنی جماعت کا تعارف کروا کر بعض معزز ممبران کے نام دیئے ہیں۔ ان میں 11 کا تعلق بھیرہ سے ہے اسی طرح بھیرہ کے 51 مصدقین ہیں جن کی تصدیق لیکھرام کی پیشگوئی پوری ہونے کے طور پر ایک کتاب میں مندرج ہے۔ ان میں زیادہ تر غیر از جماعت احباب ہیں۔ اس کا سہرا بھی حضرت مولوی نورالدین صاحب اور بھیرہ کے دیگر رفقاء کے سر پر ہے۔ غرضیکہ بھیرہ کے رفقاء کی ایک تعداد تھی بعض نے رجسٹر روایات میں بھی روایات درج کی ہیں۔ حضرت مسیح موعود کی حیات طیبہ میں جو گروپ فوٹو ہوئے ان میں بھی حضرت مولوی نورالدین صاحب اپنے آقا کے پہلو میں نمایاں طور پر نظر آ رہے ہیں۔ دو تین بھیرہ کے اور رفقاء بھی ہیں۔ ایسے رفقاء بھی تھے جنہوں نے 1903ء میں حضرت مسیح موعود کے سفر جہلم میں دوران دستی بیعت کرنے کی سعادت حاصل کی۔ ان کی نسلوں کا فرض ہے کہ ان کی نشاندہی کریں۔ بہرحال یہ سب حضرت مسیح موعود کی اس بشارت میں شامل ہیں کہ بھیرہ سے ہم کو نصرت پہنچی ہے۔

حضرت مولوی نورالدین صاحب اپنے آقا کی نظر میں

حضرت مولوی نورالدین صاحب کی خدمات کو قیامت تک یاد کیا جائے گا بعض قابل رشک کلمات ہیں جو حضرت مسیح موعود کے قلم سے آپ کے بارہ میں نکلے۔ آپ اپنے آقا کی تمام مہمات دینیہ میں ساتھ ساتھ رہے تمام سفروں میں مباحثات و مناظرات میں شرکت فرمائی اہم لیکچروں میں ساتھ گئے۔ جلسہ مذاہب اعظم میں آپ ماڈریٹر تھے۔

حضرت مسیح موعود نے فرمایا:

''اور میرے ہر ایک امر میں میری اس طرح پیروی کرتا ہے جیسے نبض کی حرکت تنفس کی حرکت کی پیروی کرتی ہے۔''

فرمایا:

ان کے دل میں جو تائید دین کے لئے جوش بھرا ہوا ہے۔ اس کے تصور سے قدرت الٰہی کا نقشہ میری آنکھوں کے سامنے آ جاتا ہے۔

ایک اور مقام پر فرمایا:

اس سلسلہ ناصر دین میں اول درجہ کے نکلے۔

فرمایا:

خدا تعالیٰ اس خصلت اور ہمت کے آدمی اس امت میں زیادہ سے زیادہ کرے۔ آمین

چہ خوش بودے اگر ہر یک زامت نور دیں بودے
ہمیں بودے اگر ہر دل پُر از نور یقیں بودے

حضرت مسیح موعود کی بیعت کا 23 مارچ 1889ء کو آغاز بھی آپ سے ہوا اور حضرت مسیح موعود کی وفات کے اگلے روز 27 مئی 1908ء کو خلافت احمدیہ کا آغاز بھی آپ سے ہوا اور وفات کے بعد تدفین بھی حضرت مسیح موعود کے پہلو میں ہوئی۔

اب بھیرہ کے رفقاء مسیح موعود کی نسلیں ساری دنیا میں پھیل چکی ہیں۔ خدا کرے وہ سب خلیفہ وقت کا دست و بازو بن کر حضرت مسیح موعود کی اس عظیم بشارت میں شامل ہو جائیں کہ بھیرہ سے ہم کو نصرت پہنچی ہے۔